عقلانیت کے معنیٰ اور مقام کا فہم مجدد: مغربی فلسفہ اور قرآن کریم کی نظر میں

Reconsidering the Meaning and Status of Rationality: from Viewpoint of Western Philosophy and the Holy Quran

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All copy rights are preserved.

Dr. Kausar Ali
Faculty Member at MIU, Qum, Iran.
E-mail: kausar.kim110@gmail.com

Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani
Professor of Economics, Post Doc from Harvard University and Dean (Rtd.) University of AJk
E-mail: nisarhamdani@gmail.com

Abstract:

At present, our world is facing serious conflicts and crises amongst various civilization, particularly the Western and Islamic civilization that basically is emerged from epistemic thoughts. If these crises of world are not solved, the common people of world will face severe consequences. Therefore; it is dire need of time to understand the dominant episteme on western paradigm since last four century.

It is also recommended that we scholars and researchers should reconsider the Quranic paradigm that has comprehensive and well-balanced episteme in order to make the world a better place for living. Quranic epistemology is comprehensive and encourage of the rational, experimental and intuitional perceptions.

The core issue of the research article is reconsidering the term rationality that is one of the most attractive terms that have been ever used in social sciences and humanities. Western civilization has experienced various kinds of rationality from Aristotle to Jeremy Bentham and from Jeremy Bentham to contemporary philosophy but could not able to establish a well-balanced civilization.

Quran introduces comprehensive and well-balanced episteme that is blessed with specific universal rationality. It has enough potential to solve the fundamental issues in order to make an ideal human society because it is very close to all instinct of human being.

Keywords: Rationality, Paradigm, Episteme, ignorance, Bio-Politics, Quran.

خلاصہ

ہم زمانہ بحران میں زندگی گزار رہے ہیں خاص طور پر مغربی اور اسلامی تہذیب کے درمیان فکری اور عملی ٹکراؤ نے انسانوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ان بحرانوں کو جلد ہی حل نہ کیا گیا تو کرہ ارض کے بسنے والے انسانوں کی شدید مشکلات میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ بحرانوں کا یہ طوفان علمیاتی افکار سے سیراب ہوتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مغربی فلسفہ پر حاکم اپسٹمہ کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس طرح ہمارے علما اور محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی اپسٹمہ کو بلاواسطہ سمجھنے کی کوشش کریں اور ایک متوازن اور جامع راہ حل پیش کریں۔
قرآنی اپسٹمہ انسانوں کی ترقی اور کمال کے لیے ایک وسیع، جامع اور متوازن علمیات ہے تو ہمیشہ انسانوں کی فکری اور عملی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ قرآن علمیات حواس خمسہ، عقلی اور قلبی ادراک کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے لیکن اس تحقیق میں ہم فقط عقلی ادراک اور انسانی معاشرے اور فرد کی تعمیر اور تشکیل میں ان کے کلیدی کردار کو زیر بحث لائیں گے کہ وہ کس طرح قرآنی عقلانیت کس طرح بحرنواں سے نبرد آزما ہونے کا ہنر سکھاتی ہے۔
مغربی تہذیب پر حاکم اپسٹمہ نے، سقراط، افلاطون اور ارسطو سے لے ڈیکارٹ اور کانٹ تک اور ان سے لے کر جرمی بنتھم تک مختلف قسم کی عقلانیت کو تجربہ کیا ہے لیکن پھر بھی وہ پچھلی ۵ صدیوں میں تمام تر ترقی اور اقتدار کے باوجود ایک ایسی تہذیب بنانے میں ناکام نظر آتی کہ یہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکے اور تمام انسان عدل اور مساوات اور امنیت کے زیر سایہ زندگی گزار سکیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام انسان ایک بار پھر قرآن کے آفاقی اپسٹمہ اور عقلانیت کو مطالعہ کریں جس اندر یہ قابلیت موجود ہے کہ وہ انسانوں کے فکری الجھاو کو سلجھا سکتا ہے اور ان بحرانوں کو حل کر سکتا ہے کیونکہ یہ انسانی فطرت کے مطابق کمال کی طرف بڑھنے کا ایک جامع راستہ ہے۔

کلیدی الفاظ: عقلانیت، جہالت، اپسٹمہ، پراڈائیم، بائیو پولیٹکس، قرآن، علمیات۔

عقلانیت ہر دور کے خاص پراڈائیم کو کہتے ہیں۔ ہر عصر پر حاکم پیراڈائیم (Dominant Paradigm) کو اپسٹمہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایک خاص قسم کے تاریخی اور ثقافتی کردار ہیں جو ایک خاص قسم کی عقلانیت کو حاکم

تعین کرتے ہیں۔ ہر عصر میں ایک ایک خاص عقلانیت حاکم ہوتی ہے۔عقلانیت کی بحث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس بات پر توجہ کریں کہ ہر دور میں میں علوم پر ایک خاص قسم کی علمیات(Episteme) حاکم ہوتی ہے جو انہیں ایک خاص جہت دیتی ہے۔ اس علمیات کے نتیجے میں ایک تفکر و تعقل حاصل ہوتا ہے جسے عقلانیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ البتہ میشل فوکو کی نظر میں زندہ موجود کا علم، زبان کے قوانین کا علم اور اقتصادی امور کا علم ایک خاص اپسٹمہ تشکیل دیتے ہیں[1] اور اسی سے عقلانیت خاص تشکیل پاتی ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا ایک ابدی پیغام ہے جو قیامت تک انسانوں کی فکری ہدایت کا لازول سرچشمہ ہے۔ جس میں انسان کے لیے عالمی اور آفاقی اصول اور قواعد موجود ہیں جن کی مدد سے وہ اپنی زندگی کے معاملات کو سلجھا کر ترقی اور کمال کی لامتناہی منازل کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ معاصر کے اس پرآشوب دور میں ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ایک بار پھر سے ہم قرآن کریم کے اپسٹمہ اور پراڈایئم کو آیات کی مدد سے، بلاواسطہ، تعقل و تدبر کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ بہت ساری علمی اور فکری مسائل کو دوبارہ سے سلجھایا جاسکے۔

جس دور میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس پر فلسفہ معاصر(Contemporary Philosophy) کی گہری چھاپ ہے جو نہلیزم(Nihilism) کے برے اثرات کا سامنا کر رہاہے۔ اس دور کی اہم خصوصیت اضطراب اور بے چینی ہے۔ ہر انسان فطری طور پر اپنی ابتدا, انتہا اور ہدف زندگی کے بارے میں فکر کرتا ہے لیکن اس اضطراب کی فضا میں یہ فلسفی تفکر گم ہو جاتا ہے۔ زندگی کے امور میں ناپائیداری، شکست اور موت کے خوف (Heidegger, Being and Time p.55) نے انسان کے اضطراب کو شدید کر دیاہے۔ معاشرے میں اچھی اور اطمئنان بخش زندگی گذارنے کے امکان کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے میں دانشوروں اور حکما اور عقلا کی ذمہ داری ہے وہ کاروان بشریت کو اس فضا سے نجات دیں اور،انسانی آئیڈیل معاشرے کی طرف انسانی قافلہ کی راہنمائی کریں۔ ان تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک خاص عقلانیت کی مدد کی ضرورت ہے۔

پہلا مرحلے میں اس کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرنے کی ضرورت ہے اور دوسرے مرحلے میں حکمت عملی کی ضرورت ہو گی تاکہ معاشرے میں اس خاص عقلانیت کو عمومیت دی جا سکے۔ قرآن کریم حواس خمسہ، عقل اور قلب کے ادراکات کو بہت زیادہ اہمیت دیتاہے، گویا یہ ادراکات اتنی عظیم نعمت ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرنا فرض قرار پایا ہے۔(41: 20، 22۔ 23:67۔ 78:16۔ 78:23۔ 9:41)۔ یہ آیات مبارکہ تشکرون پر ختم ہورہی ہیں۔ یہ اتنی عظیم نعمتیں ہیں اگر انسان انہیں استعمال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید سرزنش کے لیے تیار رہے: وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً (36:17) ترجمہ: "اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے کیونکہ کان اور آنکھ اور دل یقیناً ان سب سے بازپرس ہوگی"۔

قرآن کی طرف پیش کی جانے والا علمیات نظام (نظریہ علم اور معرفت شناسی،Epistemology) جامع اور ہمہ گیر ہے لیکن اس تحقیق میں ہم فقط عقل کے ادراکات یعنی تعقل، تدبیر اور تفکر کی عظمت کے بارے میں قرآن کی تائید اور تاکید کو ذکر کریں گے کہ قرآن کریم کس عقل ادرکارات کو اہمیت دیتا ہےاور انسانوں کو ہمیشہ تعقل، تدبر، تفکر اور تذکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عقل، انسان کی ہستی کا وہ مرتبہ ہے جس کی مدد سے وہ مختلف سرگرمیاں انجام دیتا ہے مثلاً؛ تفکر اور تدبر، تذکر، تفقہ اور وغیرہ، یہ سب عقل کے ہی افعال ہیں۔ عقل کے مختلف مراتب ہیں، جن میں سے بعض کمزور اور بعض قوی ہیں۔ پس اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے انسان کو عقل جیسی نعمت عطا کی گئ ہے جس کے ذریعے سے انسان حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ کلیات اور اصول و قوانین کو بناتا بھی اور ان کو کشف بھی کرتا ہے یعنی ماھوی، فلسفی، ریاضیاتی اور منطقی اور اعتباری قواعد اور اصول۔ اسی عقل کی مدد سے انسان عالم مثال اور مابعد الطبیعات کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے حقائق کی معرفت حاصل کرتے ہیں جبکہ یہ صلاحیت دوسری مخلوقات اور موجودات میں نہیں ہے۔

انتہائی اختصار کے ساتھ اگر بیان کیا جائے تو ایسا کہنا مناسب ہو گا کہ ہر مکتب فلسفہ کی نظر میں عقل اور عقلانیت کے مختلف مطالب ہیں۔ لہٰذا عقلانیت مشترک لفظی ہے۔ مشترک لفظی کے مغالطے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم متکلم اور مصنف کا معنی مقصود کو سمجھیں کے بعد کسی نتیجے تک پہنچیں۔ مشترک لفظی سے مراد یہ ہے، لفظ ایک ہے لیکن اس کے معنی مختلف ہیں اور ان معنوں کو علیحدہ طور پر وضع کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ جب لفظ (Rationality) استعمال کیا جا رہا ہے مقصود متکلم کیا ہے اور کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے اور اس کا سیاق و سباق کیا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ متکلم کے فلسفی یا مذہبی یا سائنسی پیراڈائم کیا ہے؟ آیا یہ لفظ معنی کے اعتبار سے کس مقصد کے لیے بولا گیا ہے؟ علم اقتصاد میں عقلانیت کی اصلاح متعدد اور مختلف مقام پر استعمال ہوئی ہے اور اسی طرح عقلانیت کی اصلاح قرآن اور حدیث، فلسفہ اور دیگر علوم میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ عقلانیت کی اصطلاح کا تنقیدی جائزہ لینے سے پہلے، عقل اور عقلانیت کے لغوی اور اصلاحی معنوں کو سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تحقیق کرتے ہیں تاکہ عقلانیت کی بحث کو مکمل طور پر سمجھا جا سکے۔

عقل و تعقل کا لغوی اور اصطلاحی معنی

عربی زبان میں عقل کے اصلی حروف "ع ق ل" ہیں جن کا معنی "روکے رکھنا۔"[2] ان حروف سے حاصل ہونے والے تمام الفاظ اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں یعنی؛ منع کرنا، باندھنا، حفاظت کرنا۔" عقل جھل سے روکتی ہے۔"[3] اونٹ کے پاؤں کو بندھنے والی رسی کو عربی زبان میں اس لیے عقال کہتے ہیں کہ وہ اونٹ کو حرکت کرنے سے روکے رکھتی ہے تاکہ دشت اور صحرا میں وہ حرکت نہ کر سکے اور اپنے مالک کی پہنچ سے دُور نہ ہو سکے اور جب اسے ضرورت پڑے تو اونٹ اس کے نزدیک ہی موجود ہو اور اسے اپنی سواری کے لیے استعمال کر سکے۔

پس لغوی اعتبار سے عاقل کون ہو گا اور عقلانیت کسے کہیں گے اور عقال کسے کہتے ہیں؟ ہمیشہ اونٹ کے پاؤں کو بندھ کر رکھنے والے کو عاقل اور یہ عمل عقلانیت کہلائے گا اور جس رسی سے اونٹ کا زانو باندھا جاتا ہے اسے عقال کہتے ہیں۔ معجم الوسیط میں عَقَلَ کے مادہ اور اصلی حروف کے بارے میں لکھا ہے: **أدراک الاشیاء علی حَقیقتها** (معجم الوسیط، عَقَلَ (ع،ق،ل)) : اس نے اشیا کی حقیقت کو پا لیا۔

ابن فارس کہتے ہیں: عَقَلَ (ع،ق،ل) اور اس کے مادے کا ایک ہی اصلی معنی ہے جو کسی چیز کو روکنے اور قبول رکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ پس، عقل کو اس وجہ سے عقل کہتے ہیں جو انسان کو ہر بُرے اور ناپسندیدہ قول اور فعل سے روکتی ہے۔[4]

ابوالبقاؒ کی نظر میں عقل کو "لُبّ" اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ خداوند متعال کی منتخب اور برگزیدہ مخلوق ہے۔ عقل کو "حِجی" بھی کہتے ہیں کیونکہ انسان عقل کی مدد سے؛ "حجّت" تک پہنچتا ہے اور اس سے عقل تمام معنوں کو پا لیتی ہے۔ عقل کو "حِجْر" بھی کہتے ہیں کیوں وہ نافرمانیوں سے بچا لیتی ہے اور اسے "نُہی" بھی کہتے ہیں کیونکہ معرفت اور ہوشیاری عقل پر تمام ہوتی ہے عقل وہ اعلی ترین خوبی ہے جو بندے کو عطا کی جاتی ہے اور جس کی مدد سے وہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔[5] پس عربی زبان کے معروف ماہرین کی نظر میں عقل، انسانی وجود کا وہ مرتبہ ہے جو انسان کی اس طرح مدد کرتی ہے کہ وہ اشیا کی حقیقت تک پہنچ اور عقلی دلیل قائم کرئے تاکہ وہ اللہ تعالی کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے دنیا اور آخرت کی سعادت کو حاصل کر لے۔ پس عاقل وہ انسان ہو گا جو اپنی عقل کے گوہر ناب کی معرفت کو حاصل کرتے ہوئے اس کی مدد سے دلیل و برہان کو قائم کرئے اور اللہ تعالی کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے دنیا اور آخرت کی سعادت کو حاصل کرنے کی کوشش کرئے۔ اس تگ و دو کو عقلانیت کی اصطلاح سے تعبیر کریں گے۔

عقل قرآن کریم میں عقل اور اس کے مترادف الفاظ

قرآن کریم میں مختلف انسانی ادراکات کا ذکر ہوا ہے (جو عقل و فکر سے مربوط ہیں اور انہی کا معنی دیتے ہیں) اور یہ تقریبا بیس کلمات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے: مانند؛ ظن، حسبان (عربی زبان میں ظن اور حسب کبھی کبھی یقین کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں)، شعور، ذکر، عرفان، فهم، فقه، درایت، یقین، فکر، رای، زعم، علم، حفظ، حکمت، خبرت، شهادت، عقل، فتوی و بصیرت[6]۔ اس ضمن میں ایک عظیم مفسر قرآن کہتے ہیں: اگر ہم قرآن کریم کی آیات میں جستجو کریں تو معلوم ہو گا کہ قرآن کریم میں تین سو سے زیادہ آیات ہیں جو لوگوں کو تفکر، تذکر اور تعقل[7] کی دعوت دیتیں ہیں۔ انہی آیات کی مدد سے پیامبر اکرم ﷺ نے یا حق کو ثابت کیا ہے یا باطل کو رد کیا ہے اور یہ الہیٰ اور نورانی استدالات تا قیام قیامت محفوظ رہیں گے اور ہمیشہ انسانوں کو عقلانیت کے ذریعے حق کی

دعوت دیتے رہیں گے۔ قرآن کریم میں آپ کو ایک آیت بھی نہیں ملے گی جس میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہو کہ بغیر سوچے سمجھے اس پر یا جو اس کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس پر ایمان لے آو۔[8]

قرآن کریم میں ع، ق، ل کا مادّہ

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قرآن کریم میں ۴۹ مرتبہ (اصلی حروف (Root Word)) ع، ق، ل کا مادّہ (اصلی حروف) استعمال ہوا ہے اور یہ مادہ، سب کا سب فعل ہی کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔(44:2- 73:2) ۴۸ مرتبہ فعل مضارع (یعنی تفکر و تعقل کرنا ہے اور کرتے رہنا ہے (فعل مضارع حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے)) اور ایک بار فعل ماضی کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ انسانوں کو قرآن کریم کی پاک آیات میں غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے کہ جب بھی کرنے قرآن کریم کی آیات میں (پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے) "اَفَلایَعْقِلون" کا ذکر ہوا ہے تو یا قرآن کریم انسان کی سرزنش یا حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتا ہے اور دعوت فکر دیتا ہے تاکہ وہ حق کی بات کو عقل کے ذریعے قبول کریں اور اپنی فہم و فراست اور ادراک و معرفت کو بہتر و بیشتر کریں۔ قران کریم میں بہت ساری آیات میں تعقل بر مجبور کرنا یا حوصلہ افزائی کرنا اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ انسان رجس، شرک اور غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا نہ ہوں چونکہ تعقل و تفکر نہ کرنے کا حتمی نتیجہ یہی ہے۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کو "شر الدواب (مختلف آیات موجود ہیں، مثلًا (22:8))" کے نام سے یاد کیا ہے جو تعقل نہیں کرتے۔ اللہ تعالی، ان لوگوں پر "رجس(100:10)" کو مسلط کرتا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور وہ ایمان کیوں نہیں لاتے اس لیے کہ وہ تعقل (مبدا، معاد و رسالت) نہیں کرتے۔ پس تعقل اور دیانت ایک دوسرے سے لاینفک ہیں۔ لہٰذا ان آیات کے ذریعے تعقل، تفکر اور تدبر کے ادراکات کی اہمیت کو بتایا گیا ہے جو قرآنی اپسٹمہ کا ایک اہم ترین رکن ہے، جس کے بغیر نہ علوم انسانی و معاشرتی کی تشکیل نو ممکن ہے اور نہ ایک نئے اسلامی تمدن کی طرف بڑھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم عقل کے ادراکات کو نظر انداز کریں گے تو گویا قرآنی راستے سے دور ہو رہے ہیں۔ انسانی اور اجتماعی اور معاشرتی علوم کو اسلامی کرنے کے لیے ضروری ہے قرآنی اپسٹمہ ایک بار پھر ہم بلاواسطہ سمجھنے کی کوشش کریں اور اس فہم کے مطابق ان علوم کی تشکیل یا تشکیل نو کام کریں!

"تعقلون، یعقلون ویتفکّرون سے مربوط آیات اور قرآنی علمیات

یہاں پر ہم اختصار کے پیش نظر فقط "تعقلون، یعقلون ویتفکّرون" کی آیات سے مربوط اہم ترین مطالب اور عناوین کو بیان کرتے ہیں:

1) تعقل و تفکر کے ذریعے سے اللہ تعالی پر ایمان لانا (100:10)

2) آیات آفاق اور انفس میں تفکر و تعقل کی دعوت (164:2)
3) خداوند متعال کی عظمت میں تفکر کی دعوت (21:59)
4) قرآن کے اعجاز ہونے میں دعوت تفکر (23:2، 38:10، 101:11، 13:43)
5) خداوند متعال کے وجود پر برہان نظم (کائنات میں موجود نظم و ترتیب کے ذریعے خداوند متعال کے وجود پر دلیل قائم کرنا) کے ذریعے دعوت (12:16)
6) علّی اور معلولی روابط (Relation of cause and effect) کو کشف کرنے کے لیے قرآن کریم کی دعوت (12:16)
7) مشرکین سے استدلال طلب کرنا دلیل کے ساتھ (28:30)
8) عام لوگ کی سطح پر دعوت تفکر (16:10)
9) عدم تفکر کی وجہ سے سرزنش کہ وہ کیوں تعقل و تفکر نہیں کرتے: فلسفہ عبادت کی عدم فہم (58:5)
10) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب اور احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے (44:49) کی وجہ سے سرزنش، کیوں تعقل و تفکر نہیں کرتے۔
11) قوم یہود کی تحقیر، بے عقلی کی وجہ سے (14:59)
12) مشرکین کی تحقیر، عقل کے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے (43:39)
13) زمین میں سیر اور گردش کے ذریعے عبرت حاصل کرنا (42:30، 44:35، 21:40، 10:47)
14) آثار قلب و عقل پر تفکر اور تعقل کی وجہ سے مہر لگ جانا (171:2)
15) حیوان کی سطح سے بھی نیچے گر جانا (22:8)

ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان اور مومن ہونے کا معیار عقلانیت ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان اور مومن پر تعقل و تفکر کرنا واجب ہے تاکہ وہ الٰہی سرزنش سے محفوظ رہیں۔ وہ لوگ دوسروں سے دلیل و برہان سے بات کرتے ہیں، خداوند متعال، انبیاء اوصیا علیہم السلام، قرآن کریم کو برہان اور استدلال سے قبول کرتے ہیں۔ وہ کائنات اور اپنی ذات میں تعقل و تفکر کرتے ہیں تاکہ علت اور معلول کے روابط کشف کر سکیں۔ وہ زمانے میں سیر کرتے ہیں لیکن ان کی آنکھیں عبرت بین ہیں۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کوئی بھی نظام سازی کریں اور اس نظام سازی کو اسلام کے نام سے منسوب کریں اور اس میں عقلانیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ نہ ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسلام کے نام پر انسانی اور معاشرتی علوم میں ہم عقلانیت کے عالی ترین مرتبہ کو کشف اور متعین کرنے کی کوشش کریں۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن کریم کی رو سے اسلامی معاشرے اور اسلامی انسانی اور معاشرتی علوم پر حاکم علمیات میں عقل اور اس کے ادراکات کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

عقل اور عقلانیت کا متضاد اور قرآنی اپسٹمہ

قرآن کریم میں ج، جھ، ل کے حروف سے جاہل، جاہلون، جاہلین، جہالۃ، یجہلون، تجہلون اور جہول کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ زبان کے معروف ادبا کے نزدیک الفاظ کے متضاد جاننا بہت ضروری ہے تاکہ معنی کی بہتر پہچان ہو سکے اور ہم مافی الضمیر کو بہتر طور پر دوسروں تک منتقل کر سکیں۔ اسی طرح، ایک معروف عقلی اصول ہے کہ ہم اشیا کو ان کی ضد کے ذریعے سے پہچانتے ہیں (تعرف الاشیا باضدادھم)۔ لہٰذا یہ بات بہت اہم ہے کہ ہم عقلانیت کے متضاد کو پہچان لیں۔ جیسا کہ ہم جان چکے ہیں کہ عربی زبان میں "ع، ق، ل" کے اصلی معانی منع کرنا، باندھنا، حفاظت کرنا، روکنا اور پکڑ کر رکھنا اور چیزوں کی حقیقت تک پہنچنا۔ اب ان افعال کی ضد کیا ہو گی؟ منع نہ کرنا، نہ باندھنا، حفاظت نہ کرنا، نہ روکنا اور نہ پکڑ کے رکھنا اور چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچنا، یہ سب مفاہم اور معانی عقلی افعال کی ضد ہیں۔ لیکن عقل کی ضد کو لغوی طور پر جاننے کے لیے عربی زبان کی معروف لغات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم جہل، جہالت کا متضاد تلاش کرنے کی کوشش کریں گے تو ان میں ایک نادانی اور لاعلمی، ایسی لاعلمی، جس میں انسان یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا اور یہ سب سے زیادہ خطرناک اور مضر ہے۔

1) عقل کی نقیض (متضاد) جہل ہے۔ "العقل: نقیض الجھل"[9]۔ ظاہراً "نقیض" سے مراد فلسفی نقیض نہیں، بلکہ اس کی "ضدّ" ہے؛ کیونکہ "عقل" اور "جہل"، دونوں امر وجودی ہیں یعنی دونوں ہی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، نہ یہ کہ جہل "عدم العقل"[10] ہے۔

2) حماقت کا مطلب ہلکا پن، جہالت اور عقل کی کمی ہے۔[11] یعنی احمق شخص سے جہل ہے اور اپنی جہالت کی بنیاد پر اپنے کاموں میں ہلکے پن کا مظاہرہ کرتا ہے یعنی اس کاموں میں استحکام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے امور استوار ہوتے ہیں۔

3) جنون، لفظ جنی سے ہے، بنیادی طور پر اس کا معنی کسی چیز کو پوشیدہ کرنا ہے۔[12] مجنون کو مجنون اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی عقل اور نفس کے درمیان کوئی چیز حائل ہوتی ہے جو اس کی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔[13] اور اس طرح وہ مجنون کہلاتا ہے۔

4) عقل کے مقابل میں جنون، حماقت، اور جہالت ہے، جن میں سے ہر ایک کی ایک خاص جہت ہوتی ہے۔[14]

5) عرب لغت کے معروف ماہرین کے مطابق، لغت کے اعتبار سے جہل کا معنی ناجاننا ہے۔[15] امام راغب اصفہانی نے جہل کے لفظ کو تین طرح سے تحلیل کیا ہے: ا۔ انسان کے نفس کا ہر قسم کے علم وآگاہی سے خالی ہونا، یہ اس لفظ کا اصلی معنا ہے۔ ۲۔ ایک چیز پر اعتقاد رکھنا جبکہ واقعیت اس کے برخلاف ہو۔ ۳۔ کام کو انجام دینا، (پالیسی بنانا، اعتبارات بنانا، منصوبہ سازی کرنا) جبکہ اس کام کو انجام نہیں دینا

چاہیے تھا، چاہے انسان اسے صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔[16]

لغت کے اعتبار سے تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقل اور عقلانیت کا متضاد جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت ہے جس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً: نفس پر اختیار نہ ہونا، عقل کا عدم توازن، واقعیت کے برعکس اعتقاد رکھنا، اس کو انجام دینا جسے انجام نہیں دینا چاہیے تھا یا عقل اور نفس کے درمیان کسی پردے کا حائل ہو جانا۔ بنا براین، عربی زبان کے معروف ماہرین کی نظر میں غیر عاقل، انسان مجنون، احمق اور جہل شخص کہلائے گا۔ جو اللہ تعالی کی دی ہوئی نعمت یعنی عقل کی مدد سے اشیا کی حقیقت تک نہ پہنچے اور نہ ہی دلیل و برہان قائم کرئے تاکہ وہ اللہ تعالی کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے دنیا اور آخرت کی سعادت کو حاصل کر لے۔ عقلانیت کا نہ ہونے کا لازمی نتیجہ جہالت، جنون، سفاہت، حماقت ہے۔ جہالت اولی یا عصر جہالت میں جاہلی معاشرے اور افراد کی خصوصیات اور افعال جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت کی بنیاد پر انجام پاتے تھے، اسی اس دور کو قرآن کریم نے عصر جہالت کہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے جنگ کی ہے۔

وہ اہم ترین نکتہ جس کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ عقل کے مقابل میں جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت ہے۔ پس عقلانیت کے ذریعے سے معاشرے میں موجود ان بیماریوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ ایک عام عقلی قانون ہے کہ دو متضاد چیزیں، آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں؛ مثلاً، سیاہی اور سفیدی۔ پس جوں جوں عقلانیت بڑھے گی جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت کا خاتمہ ہو گا اور اسی طرح جوں جوں جہالت و حماقت، سفہاہت اور جنونیت بڑھے گی عقلانیت کم ہوتی چلی جائے گی۔ جبکہ کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہالت کے خاتمے کے لیے علم کا سہارا ڈھونڈا جا رہا ہے حالانکہ علم کی ضد نہ جہالت، سفاہت، حماقت نہیں ہیں۔ لہٰذا ہمارے نام نہاد دانشور اس روش اور حکمت عملی کے ذریعے، کبھی بھی معاشرے سے جہالت، حماقت اور سفاہت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ علم اور جہالت تضاد نہیں، یہ دونوں قابل جمع ہیں (رُبَّ عالِمٍ قَدْ قَتَلَهُ جَهْلُهُ وَ عِلْمُهُ مَعَهُ لا يَنْفَعُهُ)۔[17]

دوسرے الفاظ میں یہ ہو سکتا ہے ایک شخص عالم بھی ہو اور جاہل بھی (ابو جاہل کا نام ابو حکم تھا۔ بلم بن باعور، قرآن کی نظر میں سگ / موجودہ جنگ و جدال علم اور جہالت، جنون، سفاہت اور حماقت کی بنیاد پر ہو رہا ہے) اور یہ بھی ممکن ہے ایک شخص صاحب علم ہو اور احمقانہ کام انجام دے (زمانہ جاہلیت کو کیوں اس نام سے دیا کیا جاتا ہے؟ اس لیے نہیں کے وہاں عالم، ادبا و فصحا موجود نہیں بلکہ اس زمانے سفاہت، حماقت اور جہالت کی وجہ کیونکہ وہاں عقلانیت حاکم نہیں تھی)۔ بس علم کے مقابل میں نادانی ہے جہل نہیں ہے (لاعلم لنا الا ما علمتنا۔۔۔ لاعلمی کا اظہار خامی نہیں بلکہ خوبی ہے۔ بلکہ بہت سارے حقائق، اسرار و رموز کو نہ جاننا بہتر ہے)۔ ہاں یہ بات ضرور ذہن نشین رہنی چاہیے کہ علم جہالت کو ختم کرنے کے لیے لازمی شرط (Important

Sufficient) ہے جو عقلانیت کو بھی نورانیت بخشتا ہے لیکن یہ علم جہالت کو ختم کرنے کے شرط کافی (Cause cause) نہیں ہے۔

یہاں پر عقل کے متضاد کو آپ ذہن نشین رکھیں گے کیونکہ جب ہم اسلام علوم کی بات کریں گے تو ہماری حکمت عملی یہ ہو گی کہ ہم انسانی اور معاشرتی علوم میں قرآنی اور برہانی اور عرفانی عقلانیت کے ذریعے سے اس تضاد کو ختم کر کے ایک الٰہی انسانی معاشرے کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم انسانی اور معاشرتی علوم پر حاکم عقلانیت کے ذریعے سے ہم جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت کا خاتمہ نہ کر سکیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بھی اسی میدان میں موجود ہیں کہ جس سے جنون، سفاہت، حماقت اور جہل بڑھ رہے ہیں، جسے ہم دور حاضر میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ قرآن کی حاکم علمیات اور اپسٹمہ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عقل اور عقلانیت کے متضاد کو عصر جہالت میں جہالت کے مصداق کو سمجھیں اور اپنے آپ سے سوال کریں کے کیا جہالت کے مصداق امور اب بھی ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ امور شد و مد کے ساتھ موجود ہیں تو ان کو ختم کرنے کے لیے ہماری قرآنی اپسٹمہ کیا ہونی چاہیے؟

جہالت، جہل اور جاہلیت کے مصداق امور کی معرفت

ابتدا تحقیق میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کیونکہ قرآن کریم نے اسلام کے ظہور سے پہلے کے عصر کو دور جاہلیت کہا ہے۔ کیا اس معاشرے میں لوگ عہد وفا نہیں کیا کرتے تھے؟ کیا اس دور کے لوگ مہمان نواز نہیں تھے؟ کیا خانہ کعبہ کے تقدس اور حرمت کا خیال نہیں رکھتے تھے؟ کیا وہ زمانہ شعر و ادب کا زمانہ نہیں تھا؟ کیا لوگوں کی قوت حافظہ کمزور تھی؟ کیا وہاں شرح خواندگی بہت کم تھی؟ کیا اس دور کے لوگ سخی اور شجاع نہیں تھے؟

دور جاہلیت میں بھی عربوں کی شجاعت[18] اور سخاوت معروف تھی اور ان خصوصیات کی وجہ اسے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرتے تھے۔[19] عرب عہد وفا پر مر مٹ جاتے تھے۔ اگر کوئی کسی کی پناہ مانگتا تھا تو اسے پناہ دیتے اور اسے کی حفاظت کرتے تھے۔ مہمان نوازی دور جاہلیت میں بھی رائج تھی اور مہمان کی عزت کرتے تھے۔ شعر و ادب کا رواج عام تھا حتی کہ وہاں پر ادبی میلے لگائے[20] جاتے تھے اور اس زمانے کے اشعار اور شعرا عربی ادب کے لیے بہتر میعار اور میزان سمجھے جاتے ہیں۔[21] علم انساب کے ماہرین موجود تھے اور شعرا فی بدیہی شعر پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو سینکڑوں اشعار یاد ہوا کرتے تھے۔[22] ان تمام خصوصیات کے باوجود اس دور کو قرآن کریم نے دور جاہلیت کا نام دیا ہے۔

قرآن کریم نے اس دور کے لیے الْجاهِلِيَّةِ الْأُولى (33:33)، ظَنَّ الْجاهِلِيَّةِ (154:3)، حَمِيَّةَ الْجاهِلِيَّةِ (26:48) حُكْمَ الْجاهِلِيَّةِ (50:5) کی اصلاحات کو استعمال کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کہ لوگوں کے سست اعمال اور جہالت کی وجہ سے اس کو دور جاہلیت کہا جاتا تھا۔[23] قتل و غارت کرنا اور کشت و کشتار کا بازار گرم رکھنا، تعصب اور متکبر جیسی اخلاق بیماریوں میں مبتلا ہونا، حقوق غصب کرنا، حقوق کو پائمال کرنا، ظلم و ستم کرنا، جوا کھیلنا، شراب پینا، زنا کرنا، حرام اور مردار کھانا، بت پرستی، ہمسایوں کے ساتھ بدی کرنا، قطع رحمی کرنا، کمزور پر ظلم کرنا۔[24]

یہ وہ تمام آفاقی اقدار ہیں جن کو عقل انسان قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور ان کے قبیح ہونے کو مستقل طور پر درک کرتی ہے، اسی وجہ سے ان کو مستقلات عقلی کہا جاتا ہے۔ یعنی دنیا کا کوئی سلیم عقل اور پاک فطرت انسان ان قبیح اعمال اور صفات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے چاہے وہ دنیا کے کسی خطے میں رہتا ہے، اس کا کوئی بھی مذہب اور دین ہو چونکہ انسان اپنی پاکیزہ فطرت پر الہیٰ الہام " فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (8:91)" کی وجہ سے ان کو برا سمجھتا ہے۔ اسی قرآن کریم عقلی ادراکات کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ یہ وہ انقلابی اور آفاقی اپسٹمہ ہے جس کی مدد سے قرآن کریم نے اپنے پیغام کو ابدی بنا دیا ہے۔

قرآن کریم نے اس دور کو اس وجہ سے دور جاہلیت اور جہالت کہا ہے کیونکہ عرب شرک میں مبتلا تھے (4:46-22:2)، بتوں کی پرستش کرتے تھے (22:71، 62:39- 64،19:53) غیر اللہ کی معبود کا درجہ دینا (24:21، 64:39)، اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے قرار دیتے تھے10:10، 18:4- 5،2:72-2- 4)، جنات کو اللہ تعالی کا شریک قرار دیتے تھے (100:6)، مقدس ترین مقام یعنی خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، معاد اور قیامت کا انکار (49:17- 98، 23:36- 37، 23:81، 27:64- 67، 36:77- 78، 37:37، 45:24، 56:47، 79:10-12)، بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے (16:58- 59، 81:8- 9)، بچوں کو قتل کرنا (17:31،6:151)، شراب پینا اور جوا کھیلنا (90:5)، جنات کی پناہ لینا (6:72)، اور بعض حلال جانوروں کو حرام قرار دینا (5:103-104)، وغیرہ سب دور جاہلیت کی صفات اور افعال ہیں جن کو قرآن کریم بڑی وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے اور ان کے خاتمہ کے لیے ایک اپسٹمہ متعارف کروائی جس کا ایک اصلی رکن عقل اور عقلانیت کے ادراکات ہیں جن کی بنیاد پر اس کے اس کی کے متضاد کو ختم کیا یعنی جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت کا خاتمہ کیا۔ اس عقلانیت کی ذریعے سے نہ فقط نادانی کو ختم کیا بلکہ جہالت کے تمام آثار کو ختم کر کے ایک الہیٰ تمدن کی بنیاد رکھی۔

مغربی دنیا میں عقلانیت کی اصطلاح

عقلانیت کا مطلب ہے معقول ہونا اور عقل کی راہنمائی سے امور کا انجام پانا۔[25] عقائد کے بارے اگر آپ کو اچھے شواہد مل جائیں اور وہ اپنے نظام فکری سے ہم آہنگ تو اسے قبول کر لینا عقلانی عمل کہلائے گا۔[26]

Rationality اور Rational کی اصطلاح مغرب میں ریناسانس (Renaissance) اور روشن فکری

(Enlightenment) کی تحریک کے دوران علوم میں کثرت سے استعمال ہونے لگی بالخصوص علم اقتصاد، فلسفہ، سماجیات، سیاسیات و نفسیات وغیرہ۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اس کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ مغربی پیراڈائیم کے اندر اس کے کیا معنی ہیں؟ یورپی زبانوں میں یہ لاطینی لفظ Ratio سے ماخوذ ہے جس کا معنی، حساب کتاب اور گننا ہیں۔ پس جب Rationality کا لفظ یا اس سے مربوط الفاظ استعمال کیے جائیں گے تو اس کا معنا (حساب و کتاب) ہے۔ یعنی جب یہ اصلاح علوم میں استعمال ہونے لگی تو اس مراد ایک خاص قسم کا حساب وکتاب ہے۔

اسی حساب وکتاب کی بدولت عقل معاش، عقل حسابگر (عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی)، عقل تاجرانہ (کیا ہے تو نے متائے غرور کا سودا۔فریب سود زیان لا الہ الا اللہ)، عقل عیار و مکار (عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے)، عقل ریاضی (فریب کشمکش دیدنی دارد۔۔۔ کہ میر قافلہ و ذوق رہزنی دارد۔ (پیام مشرق) (فریب کشمکش قابل دید ہے۔کہ میر کاروان، راہزنی ذوق رکھتا ہے)، عقل خود محور (عقل خود بینی دگر و عقل جھان بین دگر است (پیام مشرق) (عقل خود بین اور اپنے محبت میں گرفتار اور ہے اور عقل جہان بین اور ہے، عقل کے دو مختلف مراتب کی طرف اشارہ ہے))، عقل خود بین (از من ای باد صبا گوی بہ دانا فرنگ۔۔۔ عقل تا بال گشود است گرفتار تر است۔ (پیام مشرق) (اے باد صبا میرا یہ پیام مغرب کے دانا افراد تک پہنچا دے کے عقل معاش جتنی بڑھی گی، اتنا ہی مشکلات زیادہ ہوں گی)، عقل خود کفا (نکل جا عقل سے آگے کہ یہ نور۔۔۔چراغ راہ ہے منزل نہیں (عقل معاش ابزار ہے منزل تو نہیں))، عقل ابزاری (عقل چون پای درین راہ خم اندر خم زد۔۔۔شعلہ درآب دوانید و جھان برھم زد۔ (پیام مشرق) (عقل معاش نے جب زندگی کے پیچ وخم میں قدم رکھا، تو پانی میں آگ لگا دی اور دنیا کو درہم برہم کر دیا)) کی اصطلاحات مربوط ہیں۔ یہ سبھی ابزاری اور حسابگر عقلانیت کے مختلف نام ہیں جن کو علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

پس جب مغرب میں مختلف علوم میں عقلانیت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس سے مراد غالباً ابزاری عقلانیت ہے جس کی تعریف یوں ہے چونکہ عقل کے ذریعے مابعد الطبیعات ممکن نہیں اور لہٰذا اس کے ذریعے سے حقیقت کو اس طرح سے 'جیسا کہ وہ ہے' درک نہیں کیا جا سکتا پس حقیقت کی معرفت ممکن نہیں۔(Immanuel Kant, Critique of Pure Reason) پس انگریزی کا لفظ Rationality وسیع پیمانے پر معاشیات، سماجیات، نفسیات اور سیاسیات کے شعبوں میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔[27] لیکن سبھی میں ابزاری عقلانیت کے معانی دیتے ہیں۔ لیکن عاقل ہونا معیار اور عقلانیت کے اصلاح کے معانی مختلف ادوار میں مختلف رہتے ہیں۔ یورپ میں ریناسانس کے بعد جتنی بھی علمی، فکری، فلسفی تحریک وجود میں آئیں، ہر تحریک کے مطابق عمل کرنا کا نام عقلانیت ہے۔ مثلاً؛ تجربہ پسندیت(Empiricism) کی تحریک میں تجربہ پسند ہونا، عقلانیت(Rationalism) کی فلسفی تحریک کے دور میں عقل پسند ہونا، روشن فکری کی تحریک

(Enlightenment) میں روشن فکر ہونا، اور رومانویت کے دور (Romanticism) میں رومانوی ہونا، مڈرن ازم کے دور (Modernism) میں مڈرن ہونا، شکاکیت کے مکتب کے مطابق (Skepticism)، شکاک ہونا، عقلانیت ہو گا اور اس کے مطابق عمل کرنے والا عاقل کہلائے گا۔

اپنے اپنے دور میں عقلانیت کی یہ تمام اقسام، تعلیم، سیاست، معاشرت، اقتصاد اور ثقافت پر غالب رہیں لیکن اس قسم کی عقلانیت کے ذریعے سے جنون، سفاہت، حماقت اور جہل کا خاتمہ نہیں ہو سکا بلکہ ان کے مراتب اور وجود میں شدت سے اضافہ ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عام انسانوں کے لیے تو مطلوب عقلانیت نہیں تھی۔ البتہ خاص افراد نے کے لیے یہ بہت مفید واقع ہوئی چونکہ اگر ان کے نظامات پر مطلوب عقلانیت حاکم ہوتی تو جنون، سفاہت، حماقت اور جہل ختم ہوتے اور ان کو اپنے مفاد سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ نفسانیت کو عقلانیت کا نام دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے جنون، سفاہت، حماقت اور جہالت کے آثار میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے عظیم مفکر علامہ اقبال، ہائیڈ گر، ہنری برگساں، میشل فوکو وغیرہ، موجودہ تمدن سے مایوس نظر آتے ہیں۔

ریناسانس کا آغاز اور عقلانیت

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے ریناسانس اور روشن فکری کے دور میں سائنسی ترقی، عقلانیت ابزاری (The Era of Reason and the Era of Rationality) کے ذریعے ہی ممکن ہوئی۔ مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے آغاز کے ساتھ، انسان نے جہاں حیرت انگیز حد تک ترقی کی وہاں نت نئے حیرت انگیز مسائل کا سامنا کرنا پڑا جسے عقلانیت ابزاری سے کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ جدید فلسفے اور جدید فلسفی تفکر نے مغربی معاشرے کے انداز فکر کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ یقینی طور پر، فرانسس بیکن کے خیالات [28] نے جدید دور میں ایک بہت بڑی تبدیلی لائی، خاص طور پر، وہ کہتا ہے، سائنس ایک طاقت ہے۔ اس کا خیال تھا کہ انسان سائنس کی مدد سے دنیا پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور اسے ایسا کرنا چاہیے۔ فرانسس بیکن سائنسی ذہن رکھنے والے فلسفیوں کی لمبی لائن میں سے پہلا شخص تھا جس نے قیاس روش((Syllogism (Deduction) کے مقابلے میں استقرائی روش(Induction and inference) کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

اس لیے اس نے فقط قیاسی روش کو سرے سے ہی رد کر دیا[29]۔ علوم میں استقرائی روش نے اسے حیرت انگیز نتائج سے روشناس کروایا۔ انسان اس سے چیز سے غافل ہو گیا کہ باکیفیت (Qualitative) اشیا کو استقرائی روش کے ذریعے نہیں پرکھا جا سکتا (انسان ذاتاً غیر مادی ہے، اسی طرح اس کی زندگی کے بنیادی مسائل، ایمان، دین، خدا، قیامت، رسالت ان سب کا تعلق کمیت سے نہیں بلکہ کیفیت سے لہٰذا یہ مسائل لاینحل ہو کے رہے گے اور یوں انسان اور موضوعات کے درمیان فاصلہ بڑھتا گیا اور یوں مسائل بھی بڑھتے گئے۔ ایمان اور خدا کو احساس کا درجہ

دے دیا گیا اور دین کو شخصی مسائل کی حد تک محدود کر دیا گیا)۔ اس روش کے ذریعے ابزاری عقلانیت نے یورپ میں مختلف میدانوں میں انقلاب برپا کر دیا، مثلاً: میڈیا، صنعت کاری، نوآبادکاری، جنگ، سائنس اور ٹیکنالوجی، اور دنیا کے مختلف براعظموں پر اجارہ داری۔

اس ابزاری عقلانیت اور جدید طرز تفکر نے انسانیت کے لیے زمین پر پیچیدہ مسائل کھڑے کر دیئے۔آج اگر ہمارے زمانے کو "زمانہ بحران یعنی پانی کا بحران، ہوا کا بحران، آلودگی کا بحران، صحت و سلامتی کا بحران، جنگ و جدال کا بحران، مالی بحران، امنیت کا بحران، اخلاقی و معنوی بحران۔ گویا ہر گھر میں بحران، معاشرے میں بحران، پورے ملک میں بحران، پورے کرہ ارض میں بحران۔ یہ تمام بحران کس کے پیدا کردہ ہیں؟ کیا یہ مسائل ابزاری عقلانیت کی علمی ترقی کی بے ہنگم دوڑ کے پیدا کردہ نہیں ہے؟ (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (41:30) ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں"!" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ عقل ابزاری اور حسابگر خود محور ہوتی ہے لہٰذا اس عقلانیت کی بنیاد پر مسائل بڑھتے گئے۔ بہرحال کوپلسٹن نے اپنی کتاب A History of Philosophy میں اسے برطانیہ میں جدید فلسفے کا باپ قرار دیا ہے تاہم حقیقت یہ ہے وہ جدید سائنس کا باپ ہے[30] جبکہ جدید فلسفے کا بانی ڈیکارٹ ہے۔

یہ بات قابل انکار نہیں ہے فرانسس بیکن کے سائنسی طرز تفکر کی وجہ سے انسان نے سائنسی میدانوں بہت زیادہ میں ترقی کی، طبیعات کے اسرار و رموز کشف کیے لیکن اس دوران سب سے زیادہ نقصان بھی انسان کا ہی ہوا کیونکہ اس ترقی کی وجہ سے وہ بہت سارے بحرانوں کا شکار ہوا اور وہ تنزلی کا شکار ہوا (یعنی انسان کا تکامل نہ ہو سکا)۔ حتی ماڈرن ازم اور معاصر کے ادوار کے تمام بحران اس خاص ابزاری عقلانیت کے وجہ سے ابھر کر سامنے آئے۔ایک اور بڑا حادثہ یہ ہوا کہ صدیوں سے علم کو تقدس کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا، اب علم کو فائدہ اور عمل کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا گیا اور یوں تقدس اور علم کا صدیوں کا بندھن ٹوٹ گیا۔ پہلے زمانے میں کشف حقیقت کو ایک مقدس کام سمجھا جاتا تھا، لیکن فرانسس بیکن نے اس کا رخ فائدے اور عمل کی طرف موڑ دیا چاہے وہ سراب سے حاصل ہو یا حقیقت سے ہو (یہ متن معاصر کے حکیم متعالہ، معروف فلسفی استاد مطہری کی کتب سے ماخوذ کیا گیا ہے)۔[31]

انسان، خدا، دین، اخلاق اور اقدار کا مقام اور رینا سانس

رینا سانس کے بعد انسان کو مرکزیت حاصل ہو گئی لہٰذا رینا سانس کے آغاز سے لے کر معاصر تک جو بھی سائنسی یا فلسفی مکاتب معرض وجود میں آیا اس کی علمیات غالباً (Epistemology) تجربی تھی اور یوں انسان نے خدا کی جگہ لینی کی کوشش کی بجائے (Philosophy of Humanism) اس کہ وہ اس کا خلیفہ بنتا (فی الارض

خلیفہ)۔ وہ دین اور اخلاق سے آزاد ہو کر اس جہان کا مرکز بن بیٹھا۔ ہاں اگر کہیں اخلاق یا دین کی بات ہوتی ہے تو اسے بھی ابزاری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پس مغرب کے بڑے بڑے شہیر فلسفیوں اور مفکرین مثلاً؛ بیکن، ڈیکارٹ، ہیوم، کانٹ، ہیگل، شوپنہاور، ہربرٹ اسپنسر، نٹشے، فرائیڈ، برٹرانڈرسل (حتی دین ایک خالص انسانی کوشش ہے جس کا منبع وحی، فطرت انسانی نہیں بلکہ اس منشا اور منبع جہالت، نادانی، امرا، فقرا، نفسیاتی عقدے، معاشرتی استحکام ہیں) وغیرہ کے افکار کے نتیجے میں عقل حسابگر کو مرکزیت حاصل ہوئی ہے۔ عقل حسابگر، دراصل نفس پرستی، خود بینی اور خود محوری کا دوسرا نام ہے جس سے جنون، سفاہت، حماقت اور جہل کے نتیجے میں انسانوں کی مشکلات مزید بڑھتی ہیں۔

ان تمام مکاتب فکر کے نتیجے میں حاصل ہونے والی عقل معاش اور عقل حسابگر؛ جو فقط ذاتی منافع اور ذاتی تسکین(Utility) کو ملحوظ خاطر رکھتی ہے۔ اس کا ہدف پہلے مرحلے میں اپنے لیے آسائش، راحت، لذت، قدرت، شہرت اور آزادی ہے۔ یہی سات اہداف (Wellbeing) کے لیے میزان قرار پاتے ہیں اور اس کے اصلی ارکان شمار ہوتے ہیں۔ پس رائج اقتصادی نظام میں یہ چیزیں، صاحب ثروت اور قدرت کے لیے اصالتاً موجود ہوں گی اور دوسروں کے لیے یہ ساری چیز ضمنی طور پر ہیں تاکہ ان کے لیے ان تمام چیزوں کا امکان باقی رہ سکے۔ موجودہ رائج اقتصادی، سیاسی، دفاعی نظامات میں دین، اخلاق، اقدار، عواطف، احساسات اور معنویت کو فقط نجی اور شخصی امور تک محدود کرتی ہے یا اس کو فقط ایک ابزاری نگاہ سے دیکھتی ہے۔

رینا سانس کی تحریک اپنے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں بہت بڑی تبدیلیاں لے کر آئی۔ انسان نے ایک بار پھر سے اپنے تصور کائنات کو نئی شکل دی، تمام علوم و فنون کی بنیادوں کو ایک پھر سے بنایا گیا۔ اس تخریب و تشکیل(Destruction and reconstructions)کے دوران بہت سے عقلی، الٰہی اور اخلاقی علوم کو ایک طرف رکھ دیا گیا چونکہ وہ عقل معاش اور حسابگر کے معیار پر پورا نہیں اترتے تھے اور ان کے ذریعے سے Wellbeing کو نہیں پرکھا جا سکتا۔ ایک بنیادی تبدیلی یہ ہوئی کہ متعالی مفاہیم نے تنزل پیدا کیا یا اصلاً زندگی سے محو ہو گئے یا فقط فردی اور شخصی امور تک محدود ہو گئے۔ ان مفاہیم کی جگہ ہوائے نفس نے لے لی اور اس "حب ذات" اور "حب نفس" کو عقلانیت کا درجہ تام قرار دے دیا گیا۔ پس مغربی دنیا میں عقل معاش اور حسابگر سے ماخوذ عقلانیت کے بنیادی طور پر تین عناصر ہیں:

عقلانیت کی یہ قسم دراصل، انسان محوری اور نفئ خدا کے ساتھ معرض وجود میں آئی، یعنی انسان نے خدا کی جگہ لے لی(Humanism)، اب وہ عابد نہیں معبود ہے یعنی اب وہ خلیفہ نہیں بلکہ اس نے معبود تبدیل کر لیا ہے اور اب اس نفس اس کا معبود ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن

يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (23:45)

ترجمہ: "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے (اپنے) علم کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟ پس اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے"؟

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (43:25) ترجمہ: "اور تمام موجودات پر تسلط اور قبضے کی نگاہ رکھتا ہے"۔ یعنی انسان لا الہ تو کہہ دیا الا اللہ کو بھلا دیا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (19:59) ترجمہ: "اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں اللہ تعالی کو بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ہی بھول گئے، بے شک یہی لوگ فاسق ہیں"۔ دین اس کی خواہشات کے مانع ہے لہٰذا اسے بھی اپنی زندگی سے دور کر دیا۔ اب اس میں سے آسمانی اور الٰہی رنگ ختم کر دیا گیا اور دین کی پیدائش کے مختلف عوامل قرار دے دیئے گئے مثلاً: طبیعی حوادث کا خوف (David Hume, Sigmund Freud, Bertrand Russell)، مختلف کائناتی حوادث کی علت سے عدم آگاہی (August Kant (God of Gaps))، انسان کی اپنی نفسیاتی الجھنیں (Sigmund Freud)، خود بیگانگی (Feuerbach (Alienation)، معاشرے میں استحکام (Emile Durkheim) پیدا کرنے کے لیے ضروری عنصر ہے۔ مغرب کی سرزمین پر یہ حادثہ ہوا کہ انسان کی پاک فطرت کو دھندلا دیا گیا اور عقل ملکوتی یعنی یہ تینوں فراموش شدہ عناصر عقلانیت الٰہی کو تشکیل دیتے ہیں۔ کو پس پشت ڈال دیا گیا جبکہ یہ دونوں دین کی حقیقی طلب رکھتے ہیں۔ الٰہیات کو یا تو ایک طرف رکھ دیا گیا یا خدا کو کلی طور پر انسان کی زندگی سے حذف[32] کرنے کی ناکام کوشش شروع کر دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی[33] بنیاد پر علم کو آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔

انسان کی تعریف اور عقلانیت تجربی

انسان کی شناخت، تصور کائنات کا ایک اہم ترین رکن ہے۔ اگر انسان شناسی کی مغربی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ ہیومین ازم کے مکتب فکر نے انسان کو کس کس انداز میں سمجھنے کی کوشش کی یعنی ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب بھی تصور کائنات کے کسی بھی بنیادی رکن کے بارے میں فلسفیانہ نگاہ بیان کی جاتی ہے تو فقط کتاب کی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ سب سے پہلے وہ تمام علوم (انسانیات اور سائنسی) کی بنیاد بنتی ہے اور پھر انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں عملی طور پر نظر آتی ہے۔ ذیل میں انسان کے بارے میں مغربی فلاسفر کی آرا کو ذکر کرتے ہیں:[34]

1. انسان ایک حیوان ہے جس کا نام گرگ (Wolf) (Homo homini lupus) یعنی "انسان، انسان

کے لیے بھیڑیا ہے: آر سیناریا کے ڈرامے کا مشہور ڈائیلاگ کہ جس کو تھامس ہابز نے اپنی کتاب citizen میں لکھا جو 1662 میں شائع کی گئی ہے۔انسان ابزار ساز ہے(Faber Homo) اور اس کے موجودہ خدوخال تکامل یافتہ ہیں(Darwinism)۔

2. فلسفہ یونان کی قدآور شخصیت، معلم اول، ارسطو نے انسان کی تعریف یوں کی ہے: "انسان حیوان ناطق ہے۔"[35]

3. ہیوم کا انسان غرائز کے تابع ہے کہ عقل انہی غرائز اور خواہشات کے تابع ہونی چاہیے۔[36]

4. کانٹ کا انسان زمان و مکان کے قید و بند میں نظر آتا ہے اور اسکے لیے اس کے لیے ماورای طبعیت کو سمجھنا ممکن نہیں،(Metaphysics is impossible) حتی وہ خدا کے وجود پر عقلی دلیل لانے سے بھی قاصر ہے۔ فقط دلیل اخلاّقی کا سہارا لے کر خدا کے وجود کو ثابت کیا جاسکتا ہے یعنی کانٹ نے عقل کی بجائے اخلاقی دلیل کی بنیاد پر خداوند متعال کو ثابت کیا ہے۔

5. نٹشے کا انسان قدرت وطاقت کا مجسمہ ہے اور کمزور کو جینے کا حق نہیں دیتا۔[37]

6. سارتر۔انسان ہی خدا ہے اور بہشت اسی سرزمین پر موجود ہے۔[38]

7. ہائیڈ گر-انسان ایک مضطرب موجود[39] ہے۔(ill-being)

8. اس کے علاوہ بھی کچھ اور تعریفیں ملتی ہیں جس میں انسان کی تعریف کے لیے مختلف قسم کی اصطلاحات استعمال کی گئیں ہیں مثلاً؛انسان، تاریخ دار حیوان، ٹرجیک حیوان اور غرائز کا مجسمہ حیوان یعنی Sigmund Freud. ولادت سے لے زندگی کے آخری مرحلے تک انسان کی تمام تر نفسیاتی مشکلات کا حل اس کی جنسی خواہش کی تسکین میں چھپا ہوا ہے۔

9. نہلیزم (Nihilism[40]) کے مکتب پر پہنچ کر انسان کو بدبینی کی گہری وادی میں دھکیل دیتے ہیں۔ بدبینی کی اس وادی میں اخلاق، مذہب، میٹافزکس، اقدار، معاشرہ، کی کوئی حیثیت نہیں، نہلیزم (The End of Philosophy)کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دور کے بعد اصلاً انسان کی تعریف کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ان تمام نظریات کا اگر خلاصہ کیا جائے توانسان کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے:

"انسان، حیواں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے جو سوچتا بھی ہے لیکن اس کی سوچنے اور پرکھنے کا دار ومدار اس کی اپنی ہی ذات پر ہے۔ وہ ایک پیچیدہ ترین مادی جسم رکھتا ہے اس دنیا کے ماورا کچھ بھی نہیں۔ انسان

فقط جسم مادی رکھتا ہے۔ اس انسان کا ہدف، لذت، طاقت، قدرت اور دولت ہے، طاقتور انسان کو ہی جینے کا حق ہے۔ پس وہ دنیا کے تمام تر وسائل کو بروے کار لاتے ہوئے ترقی کرنا چاہتا ہے اور اس ترقی کے نتیجے میں اپنی ذاتی منفعت، لذت اور، قدرت کا خواہاں ہے۔

پس انسان کی مندرجہ بالا تعریفوں میں نفسانیت غالب ہے یا اگر کہیں عقلانیت نظر آتی ہے تو حب ذات اور حب نفس کے تابع ہے نہ عقلانیت مطلوب یعنی خود محوری، لذت، طاقت، قدرت اور دولت اور شہرت عقلانیت کا ہدف قرار دے دیا گیا جس سے جنون یعنی کاروباری جنون، جنگی جنون، سیاسی جنون، شہرت اور طاقت کے حصول کا جنون)، سفاہت، حماقت یعنی علمی اور عملی حماقتوں کی وجہ سے انسانی نسل کو تباہی سے دوچار کرنا۔ اور جہل یعنی علم کے نام پر جہالت کو بڑھانا، بڑھتے ہیں جو عقلانیت یعنی عقلانیت،اعتدال کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی ترقی و کمال کا نام ہے، کی ضد ہیں جبکہ مغربی پراڈائیم کی رو سے یہ سب عقلانیت کی ضد نہیں ہے بلکہ عقلانیت کے ساتھ وحدت اختیار کر چکے ہیں۔

دین اور عقل کا تنازع سرزمین مغرب میں اور عقلانیت کا نیا روپ

رینا سانس اور روشن فکری کی تحریکوں کے آجانے سے ابزاری عقل کو نشو و نما ملی۔ ہر وہ مقولہ جو عقل معاش اور حسابگر کی فہم اور قلمرو سے باہر تھا اسے عقلانیت سے بھی خارج سمجھا جانے لگا۔ یورپ میں سائنسی طرز تفکر نے لوگوں میں ایک خاص بیداری کی لہر پیدا کی اور ہر وہ چیز کے بارے سوالات کرنے لگے اور وہ ان کے جوابات عقلی اور قانع کنندہ چاہتے تھے۔ انہوں نے مسیحت کے اصول عقائد: تثلیث [41]، فدیہ حضرت مسیح علیہ السلام تاکہ تمام مومنوں کے گناہوں کا کفارہ [42] گناہ اولیہ [43]۔ روٹی اور شراب کا خون الٰہی میں تبدیل ہونا اور پھر اس کا انسان کے رگ وپے میں دوڑنا، [44] کلیسا کے پاس بہشت کی چابیوں کا ہونے [45]، کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔ جب مسیح علما، سائنسی علما کے سوالات کے جوابات نہ دے سکے تو اپنے اقتدار اور طاقت کو بیدردی سے استعمال کرنا شروع کر دیا اور سائنسی علما و مفکرین اور عام عوام کو بھی سزائیں دینا شروع کر دئیں۔ لیکن اس فکری تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے مسیح، دین مسیحت سے دور ہوتے چلے گئے اور سائنسی طرز تفکر کا کاروان آگے بڑھتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین مسیحت کو معاشرتی زندگی سے جدا کر دیا گیا۔ دین مسیحت کی حکومت اور سیاست میں مداخلت کو بند کر دیا گیا۔ دین کو ایک شخصی مسئلہ قرار دے دیا گیا۔ دین مسیحت کی سائنسی، انسانی اور اجتماعی علوم میں مداخلت کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ دین مسیحت کا مطالعہ کرنے کے بعد، اس سے حاصل شدہ نتائج کو تمام ادیان پر لاگو کر دیا گیا۔ سائنس اور دین، عقل اور دین کو آپس میں متضاد قرار دے دیا گیا۔ لہٰذا دین کے قضایا(proposition)، عقل گریز(Irrational) ہیں یا عقل ستیز (Non-rational) ہیں۔

پس عقلانیت اور دیانت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ عقلانیت وہی ہے جس کو ہم سائنس کے ذریعے ثابت کرتے ہیں۔ دین کو یہاں تک گرادیا گیا کہ اس میں سے ملکوتی اور الٰہی عنصر کو ہی ختم کر دیا گیااور اس کے عوامل زمینی بنا دیئے گئے، مثلاً؛ دین کو محض طبیعی حوادث کا خوف (David Hume, Sigmund Freud, Bertrand Russell)، مختلف حوادث کی علت سے عدم آگاہی ((August Kant (God of Gaps)، انسان کی اپنی نفسیاتی الجھنیں(Sigmund Freud)، خود بیگانگی((Feuerbach (Alienation)، معاشرے میں استحکام(Emile Durkheim) پیدا کرنے کے لیے ضروری عنصر ہے۔

فلسفہ معاصر اور عقلانیت ابزاری(Instrumental Rationality)

جدید فلسفے کا آغاز ڈیکارٹ سے شروع ہوا ہے،اس کی فلسفی تحریک کو اسپنوزا (Spinoza) اور لائبنز (Leibniz) نے شد و مد سے جاری رکھا۔ اس فلسفی تحریک کے نمایندوں نے عقل کے ذریعے کائنات کے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کی اسی لیے انہیں عقلانیت پسند Rationalist کہا جاتا ہے۔ پس اس فلسفی دور میں جب انسان فقط اپنی عقل پر تکیہ کرتے ہوئے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ عقلانیت پسند کہلائے گا چونکہ اس دور میں غالب اپسٹمہ عقلی کوشش ہوا کرتی تھی۔

اس کے بعد تجربہ پسندی (Empiricism) کا دور شروع ہوتا ہے۔ ڈیویڈ ہیوم اس فلسفی تحریک کے رہبر ہیں۔ ان کے مطابق عقلانیت کا معیار فقط اور فقط تجربہ ہے۔ چونکہ اس دور پر حاکم اپسٹمہ، تجربہ ہے۔ ایسی چیزیں جو پوشیدہ ہوں جو خوردبین کے نیچے نہیں آسکتیں ان پر اعتقاد رکھنا عقلانیت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس کے بعد کانٹ، ایک نئی فلسفی تحریک کا آغاز کرتا ہے جو تجربہ اور عقل کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اصلاً؛ ہماری عقل میں قدرت نہیں کہ وہ میٹافزکس مثلاً؛ خدا کو درک کر سکے کیونکہ ہماری عقل زمان و مکان میں مقید ہے۔ اور ہم ہمیشہ ادراک اور معرفت کے عمل کو زمان و مکاں کے زندان میں رہتے ہوئے انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے، جیسا کہ وہ ہے۔ یہ ہمارا ذہن ہے کہ چیزوں کو زمان و مکان کے آئینہ میں دکھاتا ہے۔ پس عاقل وہ ہو گا جو اس خاص اپسٹمہ پر عمل پیرا ہوگا۔ پس ہر دور میں ایک خاص معرفت شناختی (Episteme) (علمیت) ہوتی ہے تمام علوم پر حاکم ہوتے ہوئے ان کو ایک خاص جہت دیتی ہے۔ اس علمیت کے نتیجے میں ایک تفکر و تعقل حاصل ہوتا ہے، جسے عقلانیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میشل فوکو اور عقلانیت

فرانس کے معروف فلاسفر میشل فوکو نے اپنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ "**تاریخ جنون**(The History of Madness)" کے عنوان نام سے لکھا اور یہی کتاب میشل فوکو کی پہچان بنا۔ وہ اپنے تحقیق مقالہ میں ایک خاص

قسم کی عقل، پر بات کرتا ہے۔ ڈیکارٹ اور کانٹ کے فلسفی افکار کی وجہ سے "عقل خود بین" اور "عقل خود محور" رشد کرتی ہے جو دوسروں کی نفی کرتی ہے (Cogito (میں سوچتا ہوں پس میں ہوں))۔ اس خاص عقلانیت کے ذریعے سے جنون کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ عقل معاش اور حسابگر جنون اور بیماری کے ساتھ ایک خاص رابطہ قائم کرتی ہے۔ یہ عقلانیت، حساب و کتاب اور ریاضیات محاسبہ گری سے غیر عقلانی امور کو رد کرتی ہے۔ اس خاص عقلانیت کے وجود میں آنے سے کچھ مراکز(Detention Center) علاج وجود میں آئے اور یوں یورپ سے جنون غائب ہو گیا۔ یہ عقل فقط ایک پہلو کو دیکھتی ہے وہ یہ ہے ہر کوئی ریاضیاتی نگاہ سے معاشرے کے لیے مفید ہو ورنہ وہ مجنون ہیں اور انہیں مراکز صحت میں بند کر دیا جائے یہاں تک کہ ان کی ریاضیاتی عقل کے مرتبہ پر فائز ہو جائے۔ پس میشل فوکو کی نگاہ میں یورپ کی عقلانیت کا معیار، عقل معاش اور عقل حسابگر ہے۔ میشل فوکو کی ایک اور اہم ترین کتاب پیدائش بیمارستان(The birth of Clinic) ہے۔ اس کتاب کا مرکزی سوال یہ ہے کہ کیا ہوا کہ انسان کو ہسپتال کی ضرورت پڑی؟ ٹیکنالوجی کے استعمال کی وجہ سے، فلسفہ تحلیلی(Analytical philosophy) کی دنیا میں طاقت نے وجود کی جگہ لے لی۔

سائنسی تفکر اور تجربی اور استقرائی روش کی بنیاد پر مادی اور مالی طور پر غیر مفید علوم کو علوم کی قطار سے خارج کر دیا گیا۔ ان علوم کی بنیاد پر ٹیکنالوجی وجود میں آئی اور ٹیکنالوجی نے طاقت اور اقتدار کو جنم دیا۔ یہاں پر جاہ طلب افراد نے یہ ہسپتال بنانے شروع کر دیئے۔ جو ریاضیاتی عقل کے معیار پر پورا نہیں اترتا وہ مجنون ہے اور اس کی جگہ ہسپتال ہے یعنی فرانس میں، پرانے زمانے میں دیوانوں کو کشتی پر سوار کرتے تھے، اور ان عقلانیت، ان کو ایک جزیرہ میں منزوی کر دیا کرتے تھے تاکہ عقل کو تلاش کریں۔ لیکن آج کل بھی وہی کام کیا جاتا ہے لیکن ٹیکنالوجی تبدیل ہوئی ہے، جہاں انسان پر نرم قدرت(Soft power) استعمال کی جاتی ہے یعنی اب لوگ کے ابدان پر تصرف، قانونی طور پر ہو رہا ہے اور حقیقت میں یہ عقلانیت، جنون کہلائی گی)۔ فوکو، یورپی معاشرے کے عروج کو جرمی بنتھم کے افکار میں دیکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں کچھ انسان ایسے ہیں جو ایک دوسرے کو نہیں دیکھنا چاہتے۔ مڈرن سوسائٹی میں امر شخصی، ذاتی اور امر عمومی کی حد ختم ہو گئی۔ حقیقت میں یہ معاشرہ مکمل طور پر، ہر سطح پر زیر نگرانی ہے اور یہی ایک آئیڈیل معاشرہ یوٹوپیا (Utopia) کہلاتا ہے۔ یہ حادثہ عقلانیت ریاضیاتی کی بنیاد پر ہی ہوا ہے یعنی جان لاک، کب انسان ایک صاحب ہویت (پرسنلیٹی) ہوتا ہے، کیا چیز شخص کو صاحب شخصیت کرتی ہے۔ جب اس کے پاس حافظہ ہوتا ہے۔ انسان مجنوں، کا تو حافظہ ہی نہیں ہے، حافظہ، معیار شخصیت ہے۔

فوکو، ہیگل کی طرح تاریخ کو تسلسل کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر میں تاریخ قطعوں میں تقسیم ہے۔ ان تاریخی قطعوں پر تین قسم کی عقلانیت حاکم تھی یعنی ہر تاریخی دور میں ایک خاص قسم کی عقلانیت حاکم ہوتی ہے۔

ارسطو کی نظر میں عقلانیت سیاسی سے بھرپور زندگی ہی عقلانی زندگی ہے اور اس کا ہدف سعادت مند زندگی ہے جو اخلاقی اعتدال سے مزین ہے۔

دوسری قسم کی عقلانیت: مکیاویلی کی عقلانیت ہے۔ دور جدید کی عقلانیت مکیاولی کی شہر آفاق کتاب بادشاہ(The Prince) سے شروع ہوتا ہے۔ اس عقلانیت کی افزائش قدرت ہے نہ سعادت بشر، یعنی عقلانیت کا معیار یہ ہے کہ شہریار کی قدرت کو کس طرح محفوظ رکھ سکتا ہے۔

تیسری عقلانیت: معاصر(Contemporary) میں بائیو پالیٹکس (Bio-politics) کی شکل میں ظہور کرتی ہے۔ یہ عقلانیت کسی خاص شخص سے مربوط نہیں بلکہ ہر جگہ جہاں انسان معاشرے میں موجود ہے۔ اس عقلانیت کا ہدف ؛ افزائش قدرت ہے۔ عقلانیت سوم، ایک دیمک کی صورت میں منظّم انداز میں موجود ہے لیکن اس کا عامل مشخص نہیں۔ سبھی طاقت کے پنجے میں ہیں لیکن احساس تک نہیں۔ عوام، آگاہی کے بغیر اس کا سامنا کر رہے ہیں یعنی (دنیا پر بائیو پالیٹکس (عقلانیت) چل رہی ہے لیکن سب خواب میں ہیں اور مختلف انداز میں اس کو دیکھ رہے ہیں۔ بحران، بیماریاں، فرہنگ، زبان، جنگ۔ یہ عقل حسابگر کا عروج اور جنون کا کمال ہے۔

ابحاث کا خلاصہ

ہائیڈ گر کی نظر میں مڈرن ٹیکنالوجی پوری قدرت کے ساتھ خطرناک انداز میں ظاہر ہوئی ہے لیکن اس سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہے کہ اس نے جدید اشیا کو اپنا خدا بنا لیا ہے (گلندینینگ)۔ ہائیڈ گر اس زمانے کو "سرزمین شب" اور "زمانہ تنگدستی" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے یہ تمام بحران انسانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ لہٰذا انسان ہی ان بحرانوں کو حل کرنے کے لیے ایک راہ حل پیش کرے اور اپنے افکار کی تشکیل نو کریں اور ایک ایسی نوجوان نسل تیار کریں جو ان تمام بحرانوں کا حل پیش کر سکے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ بعنوان انسان ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم آئیڈیل الٰہی انسانی معاشرے کے قیام کے لیے اپنا کردار ادا کریں اور وہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسانوں کی عقل عالی ترین مرتبے تک نہیں پہنچتی اور اس عقلانیت سے، سفاہت، جنون، حماقت اور جہل کی تمام صورتوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ الٰہی اقتصادی نظام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس موضوع پر ماہرین سوشل سائنسز کے اسکالرز اور ماہرین کو از سر نو فلسفی تفکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح اور جامع حاکم اپسمٹہ متعارف کروایا جا سکے۔ بحران کے اس زمانے میں ایک خاص قسم کے تاریخی اور ثقافتی کرداروں سامنے لانے کی ضرورت ہے جو ایک خاص قسم کی عقلانیت کو تعین کرتے ہوں اور ایسے عقلانیت آفاقی، الہٰی اور قرآنی ہونی چاہیے۔

*****

References

1. Mishel Foucau, , *Nazam Guftaar (L'ordre du Discours)*, Mutrajam: Baqir Parham, (Tehran, Agaha, 1378 SH), 38.

میشل فوکو، *نظم گفتار (L'ordre du Discours)*، مترجم: باقر پرہام، (تہران، آگاہ، 1378)، 38۔

2. Majdal-Din Abu al-Saadat al-Mubarak ibn Muhammad ibn Athir Al-Jazari, *Al-Naya fi Gharib al-Hadith wa Asahar*, Vol. 5, (Qum, Nasher Ismailian, 1367 SH), 2139; Ismail bn Hammad al-Jawhari, *Taj Al-Laghga wa Sahih al-Arabiya*, Vol. 5, (Beirut, Dar al-Ilam Lilmilaiyen, 1407 AH), 1769; Ahmad bn Muhammad bn Ali al-Maqri, Al-Qayomi, *al-Masbah al-Munir*, (Beirut, Maktabat Ilmiya, 1403AH), 422-423; Al-Raghib al-Isfahani, *Mufardat al-Faz al-Qur'an*, (Damascus, Dar al-Qalam, Al-Dar al-Shamia, 1412 AH), 577-578; Al-Sharif Ali ibn Muhammad, *al-Taffat*, (Beirut,, Dar al-Kutab al-Ilmiya, 1403 AH/ 1983), 65; Abu Abd al-Rahman al-Khalil bn Ahmed, al-Farahidi, *Al-Ain*, Vol. 1, (Qom, Dar al-Maktabat Al-Hilal, 1414 AH), 159.

مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن اثیر الجزری، *النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر*، ج 5، (قم، ناشر اسماعیلیان، 1367)، 2139؛ اسماعیل بن حمّاد الجوہری، *تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ*، ج 5، (بیروت، دار العلم للملایین، 1407)، 1769؛ احمد بن محمد بن علی المقری، القیّومی، *المصباح المنیر*، (بیروت، المکتبۃ العلمیۃ، 1403ھ)، 422-423؛ الراغب الاصفہانی، *مفردات الفاظ القرآن*، (دمشق، دار القلم، الدار الشامیۃ، 1412ھ)، 577-578؛ الشریف علی بن محمد، *التعریفات*، (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1403/ 1983)، 65؛ ابو عبدالرحمٰن الخلیل بن احمد، الفراہیدی، *العین*، ج 1، (قم، دار ومکتبۃ الہلال، 1414 ھ)، 159۔

3. Abi Muhammad al-Hassan bn Ali bn Al-Hussain bi Shuba al-Harani, *Tuhf al-Aqool, Bakhsh Mu'aaz al-Nabi sallallaahu 'alayhi wa sallam* (Qum, Jamia Mudarsin, 1414 AH), 16.

ابی محمد الحسن بین علی بن الحسین بی شعبہ الحرانی، *تحف العقول*، *بخش مواعظ النبی ﷺ* (قم: جامعہ مدرسین، 1404ق 1414ھ)، 16۔

4. Ahmad bn Faris, *Abu al-Hussain Mu'jam Muqais Al-Laghga*, Vol. 4, (Qom, Dar al-Fiker Aam Al-Nashar, 1399 SH), 69.

احمد بن فارس، *ابو الحسین معجم مقائیس اللغۃ*، ج4، (قم، دار الفکر عام النشر، 1399ھ)، 69۔

5. Abu al-Baqa' Ayyub bn Musa al-Hussaini, al-Kafwai, *al-Kuliyat*, Chaap II, (Beirut, Mowsaat Al-Risalah, 1998), 619.

ابو البقاء ایوب بن موسیٰ ال حسّینی، الکفوی، *الکلیات*، الطبعۃ لثانیۃ، (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1998)، 619۔

6 . Muhammad Hussain, Tabatabai, *Al-Mizan*, Vol. 4, (Qum, Daftar-e Antasharat-e Islami, 1420 AH), 55.

محمد حسین، طباطبائی، *المیزان*، ج4، (قم: دفتر انتشارات اسلامی، 1420ھ)، 55۔

7. Ibid, Vol.5, 255.

ایضاً، ج5، 255۔

8. Ibid, Vol.5, 254-256.

ایضاً، ج5، 254۔256۔

9. Al-Farahidi, *Al-Ain*, 159.

الفراہیدی، *العین*، .159

10. Muhammad bn Ibrahim Sadr al-Din, Al-Shirazi, *Sharh Usul al-Kafi*, Vol. 1, (Tehran, Mowsahat Mutaliyat wa Tehqeeqat Frangi, 1383 SH), 221, 16.

محمد بن ابراہیم صدرالدین ، الشیرازی ، *شرح اصول الکافی*، ج1، (تہران، مؤسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، 1383)، 221، 16۔

11. Muhammad bn Makram bn Ali, Ibn Manzoor, *Lisan al-Arab*, Vol. 13, Chaap III (Beirut, Dar Sadir, 1414 AH), 497; Al-Qayomi, *al-Masbah al-Munir*, Vol. 1, 146.

محمد بن مکرم بن علی، ابن منظور، *لسان العرب*، ج13، الطبعۃ: الثالثۃ (بیروت، دار صادر، 1414ھ)، 497؛ القیّومی، *المصباح المنیر*، ج1، 146۔

12. Hussain bn Muhammad, Raghib Isfahani, *al-Mufardat fi Gharib al-Qur'an*, (Damascus / Beirut, Dar al-Qalam, Al-Dar al-Shamia, Beirut, nd), 203.

حسین بن محمد، راغب اصفہانی، *المفردات فی غریب القرآن*، (دمشق بیروت/دمشق، بیروت، دار القلم، الدار الشامیۃ، سن ندارد)، 203

13. Ibid, 205.

ایضاً، 205۔

14. Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafseer al-Quran*, Vol.2, 247.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج2، 247۔

15. Khalil bn Ahmad, *Kitab al-Ain*, Vol. 3, (Qum, Chaap Mahdi Makhzoomi wa Ibrahim Samrai, 1409 AH), 390; Ismail bn Hammad, Johri al-Sahah, *Taj al-Lughah wa al-Sahah al-Arabiya*, Vol. 4, (Cairo, Chaap Ahmad Abdul Ghafoor Attar, Cairo, Chaap Afsat Beirut, 1376 SH), 1663; Muhammad bn Yaqoob, Firoz Abadi, *Al-Qamoos Al-Muhait*, Vol. 3, (Beirut, Yusuf Al-Sheikh Muhammad Baqaee, 2005), 353.

خلیل بن احمد، کتاب العین، ج3، (قم، چاپ مہدی مخزومی و ابراہیم سامرائی،1409)، 390؛ اسماعیل بن حماد، جوہری الصحاح، تاج اللغہ وصحاح العربیہ، ج4، (قاہرہ، چاپ احمد عبدالغفور عطار قاہرہ، چاپ افست بیروت،1376)، 1663؛ محمد بن یعقوب، فیروزآبادی، القاموس المحیط، ج3، (بیروت، چاپ یوسف الشیخ محمد بقاعی،2005)،353۔

16. Raghib Isfahani, *al-Mufardat fi Gharib al-Qur'an*, Zail Wasa.

راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ذیل واژہ۔

17. Syed Razi, Naghjul-ul Balagah, Trans: Mufti Jafar Hussain, (Lahore, Mirage Co. Dec 2013), Short Words # 104.

سید رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ مفتی جعفر حسین، (لاہور: معراج کمپنی، دسمبر 2013)، کلمات قصار104۔

18. Abd al-Rahman, Ibn Khaldun, *Tarikh Ibn Khaldun*, Vol. 1, (Beirut, Daral Fiker, 1408 AH), 125.

عبد الرحمٰن، ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج1، (بیروت، دارالفکر،1408) ، 125۔

19 . Abd al-Aziz, Salim, Tarikh Arab Qabal az Islam, (Tehran, Antashrhat al-Ilmi wa Farhangi, 1380 SH), 309.

عبدالعزیز، سالم، تاریخ عرب قبل از اسلام، (تہران، انتشارات علمی وفرہنگی،1380)،309۔

20. Jawad Ali, *Al-Mufassal fi Tarikh al-Arab Qabal al-Islam*, (Baghdad, np, 1413 AH), 100-110.

جواد علی، المفصّل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، (بغداد، ناشر ندارد، 1413)،100-110۔

21. Mehmood Shukri, Alusi, *Balogh al-Arb fi Mafirah Akhwal al-Arab*, (Beirut, Chaap Muhammad Bahja Esri, 1314 SH), 450 to 650.

محمود شکری، آلوسی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، (بیروت، چاپ محمد بہجۃ اثری،1314)،450تا650۔

22. Ahmad bn Abdul Wahab, Nawiri, *Nayaat al-Arb fi Fanon al-Adab*, (Cairo, np, 1920), 320 to 350.

احمد بن عبدالوہاب، نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، (قاہرہ، ناشر ندارد، 1920) ،320تا350۔

23. Dr. Jawad Ali, *Al-Mafdaal fi Tarikh al-Arab*, Vol. 1, (Qom, Dar al-Saqi, 1422 AH), 37.

الدکتور جواد علی، المفضل فی تاریخ العرب، ج1، (قم، دار الساقی،1422)،37۔

24. Imam Ahmad bn Hanbal, *Musnad Ahmad bin Hanbal*, Vol 1, (Cairo, Dar al-Hadith, 1416/1995), 432, Hadith #: 1740; Abdul Malik bn Hisham bn Ayyub Al-Humairi Al-Ma'afiri, Al-Serah al-Naboha Ibn Hisham, Vol. 1 (Damascus, Dar Al-Ma'arfa, 1996), 259.

امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ج1، (القاہرۃ، دار الحدیث، 1416/1995)، 432، رقم الحدیث1740؛ عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ، ج1 (دمشق، دارالمعرفۃ،1996)، 259۔

25 . Moser, Paul (2006). "Rationality". In Borchert, Donald (ed.). Macmillan Encyclopedia of Philosophy, 2nd Edition. Macmillan. Archived from the original on 12 January 2021. Retrieved 14 August 2022; Broome, John (14 December 2021). "Reasons and rationality". In Knauff, Markus; Spohn, Wolfgang (eds.). The Handbook of Rationality. MIT Press.

26 . Knauff, Markus; Spohn, Wolfgang (14 December 2021). "Psychological and Philosophical Frameworks of Rationality - A Systematic Introduction". In Knauff, Markus; Spohn, Wolfgang (eds.). The Handbook of Rationality. MIT Press. ISBN 978-0-262-04507-0. Archived from the original on 30 December 2023. Retrieved 14 August 2022.

27. Merriam-webster.com/dictionary/rationality

28. Bacon led the advancement of both natural philosophy and the scientific method and his works remained influential even in the late stages of the Scientific Revolution (*Klein, Jürgen (2012),* "Francis Bacon", *in Zalta, Edward N. (ed.), The Stanford Encyclopedia of Philosophy (Winter 2016 ed.), Metaphysics Research Lab, Stanford University*, retrieved 17 January 2020)

29. Murtaza, Mutahari, *Insaan Kamal*/ *Asaar Murtaza Mutahari*, (Qum, Sadra, 1300 SH), 249.

مرتضی، مطہری، انسان کامل / آثار مرتضی مطہری، (قم، صدرا، 1300)، 249۔

30. Bacon has been called the father of empiricism ("Empiricism: The influence of Francis Bacon, John Locke, and David Hume". Sweet Briar College. Archived from the original *on 8 July 2013*. Retrieved 21 October 2013).

31. Mutahari, *Insaan Kamal*/ 249-263/ *Asaar Murtaza Mutahari*,Vol.13, 486-489.

مرتضی، مطہری، انسان کامل 249-253/ آثار مرتضی مطہری، ج13، 486-489۔

32. "God is dead" Friedrich Nietzsche. The meaning of this statement is that since, as Nietzsche says, "the belief in the Christian God has become unbelievable", everything that was "built upon this faith, propped up by it, grown into it", including "the whole [...] European morality", is bound to "collapse" (*Anderson, R. Lanier (March 17, 2017).* "Friedrich Nietzsche" – *via plato.stanford.edu.*)

33. Die Religion … ist das Opium des Volkes(Religion... is the opium of the people) Marx, K. 1976. Introduction to A Contribution to the

Critique of Hegel’s Philosophy of Right. Collected Works, v. 3. New York.

34. Kausar Ali, *Philosophi Tafakar aur Aqali Tarbiat* (London, Al-Asr Scholastic Research Establishment, 2023), 74-76.

کوثر علی، فلسفی تفکر اور عقلی تربیت، (لندن، العصر اسکولسٹک ریسرچ اسٹیبلشمنٹ، 2023)، 74تا76۔

35. Muhammad Raza, Muzaffar, *Al-Mantiq*, (Qum, Antasharat Dar al-Tafseer Ismailian, 1378 SH), np.

محمد رضا، مظفر، المنطق،(قم، انتشارات دار التفسیر اسماعیلیان، 1378)، صفحہ ندارد۔

36. Hume David, A Treatise of Human Nature, p.256.

37. When a decadent type of man ascended to the rand of type of man that is strong and sure of life : Stanford Encyclopedia of philosophy 1edition 2011/Nietzsche's Moral and Political Philosophy First published Thu Aug 26, 2004; substantive revision Wed Oct 7, 2015.

38. Stanford Encyclopedia of philosophy 1edition 2011/freedom as the definition of man “Woman, man and he desire to be God”.

39. Stanford Encyclopedia of philosophy 1edition 2011, “who it is that Dasein is in its everydayness”.

40. Stanford Encyclopedia of philosophy 1edition 2011.

41. Alexander. New Dictionary of Biblical Theology. pp. 514ff. / McGrath. Historical Theology. p. 61.

42. L. W. Grensted, A Short History of the Doctrine of the Atonement (Manchester: Manchester University Press, 1920), p. 191.

43. Vawter 1983, p. 420. *"Original Sin"/ In Richardson, Alan; Bowden, John (eds.).* The Westminster Dictionary of Christian Theology. *Westminster John Knox.*

44. *Losch, Richard R. (1 May 2002). A Guide to World Religions and Christian Traditions. Wm. B. Eerdmans Publishing. p. 90.*

45 . *Joyce, George (1911).* "Power of the Keys". *The* Catholic Encyclopedia. *Vol. 8. New York: Robert Appleton Company*. Retrieved 6 September 2017.